مسلمانانِ بلوچستان سے
ایک اہم خطاب

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مسلمانانِ بلوچستان سے ایک اہم خطاب

(فرمودہ ۱۴؍ جون ۱۹۴۸ء بمقام کوئٹہ)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

بعض احباب نے یہ خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ میں اس موقع پر کچھ باتیں بیان کروں گو انہوں نے بتایا نہیں کہ کیا باتیں ہوں۔ اُنہوں نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے کہ جو باتیں میرے نزدیک مسلمانوں کیلئے مفید ہوں میں انہیں بیان کروں۔ میں سمجھتا ہوں سب سے پہلی چیز جو مسلمانوں کیلئے یہاں بھی اور دنیا کے ہر گوشہ اور ہر ملک میں نہایت ضروری ہے اور جس کے بغیر ہماری ساری کوششیں اور دعوے اور ادّعا باطل ہو جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا مذہب اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ مذہب ہے جو قیامت تک قائم رہے گا۔ دنیا کے باقی مذاہب بھی بے شک اپنے سچے ہونے کے مدعی ہیں لیکن اسلام اور قرآن ایک ایسے مذہب کو پیش کرتا ہے جس کی تائید میں ہمیشہ خدا تعالیٰ اپنے نشانات اور قدرتوں کا اظہار کیا کرتا ہے پس ایک زندہ مذہب کا پیرو ہونے کے لحاظ سے ہمارے اپنے اندر بھی زندگی ہونی چاہئے۔ آخر خدا تعالیٰ اپنی قدرتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ اور پھر آپؐ کے تابعین کے ذریعہ سے دنیا کو دکھاتا رہا ہے یا نہیں۔ وہ ہمیشہ اپنی تائیدات ایسے رنگ میں دکھاتا رہا ہے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ کیا کوئی ایسا سلسلہ بھی اس دنیا میں موجود ہے جس کی تائید کے سامان صرف مادی اسباب سے وابستہ نہیں بلکہ مادیات سے بالا ایک اور ہستی ان کی تائید کیلئے غیر معمولی سامان پیدا کر دیا کرتی ہے وہی سلسلہ اِس زمانہ میں بھی جاری ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ ہمارا حزب ہمیشہ غالب رہے گا۔[۱]

حزبِ الٰہی کے غلبہ کے اگر یہی معنی ہوں کہ ان کے پاس توپیں زیادہ ہوں گی تو وہ جیت جائیں گے یا آدمی زیادہ ہوں گے تو وہ جیت جائیں گے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں رہتی۔ ساری دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس کے پاس سامان زیادہ ہوتے ہیں وہ جیت جاتا ہے۔ ایسی صورت میں حزبِ الٰہی میں شامل ہونے والوں کیلئے کوئی مَابِہِ الْاِمْتِیَازْ قائم نہیں رہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہمارا حزب ہمیشہ غالب رہے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ ان کے پاس ظاہری سامان کم ہوں گے تب بھی وہ ہماری تائید سے جیت جائیں گے اور جب سامان کی کمی یا ذرائع کامیابی کے فقدان کے باوجود اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ اس کا حزب دشمن پر غالب آئے گا تو یہ لازمی بات ہے کہ اِس غلبہ کی ایسی ہی صورت ہوگی جیسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بدر اور اُحد کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ مسلمانوں کی تائید کے لئے نازل کئے۔ کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور مسلمانوں کے ہاتھ ایسے مضبوط کر دیئے کہ وہ زبردست طاقت اور زیادہ تعداد رکھنے والے دشمن پر غالب آ گئے لیکن خدا تعالیٰ کے نشانات کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم بھی اس قابل ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری تائید میں اپنے نشانات ظاہر کرے۔

پس سب سے پہلی چیز جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ وہ ہر مسلمان کے اندر پائی جانی چاہئے یہ ہے کہ اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہمیں اپنی نگاہ آج سے تیرہ سَو سال پیچھے لے جانی چاہئے۔ اگر ہم اپنے گردوپیش کو دیکھ کر اور یہ اندازہ لگا کر کہ دنیا کی باقی قومیں کس طرح ترقی کر رہی ہیں خود بھی انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور اس امر کو نظر انداز کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کیا ہیں یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کیا ہدایات دی ہیں تو یقیناً ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے وہ وعدے کئے ہیں جو دوسری قوموں سے اس نے نہیں کئے اور جب مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کے ایسے وعدے ہیں جو دوسری قوموں سے نہیں تو لازماً ہمیں ایسے حالات پیدا کرنے پڑیں گے جن میں دوسری قومیں ہم سے مشترک نہ رہیں اور اس کی یہی صورت ہے کہ ہمارے آقا اور سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تعلیم لائے تھے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ جس رنگ میں

وہ ہمیں رنگین کرنا چاہتے تھے اس رنگ میں ہم رنگین ہو جائیں اور جو باتیں اسلام کے خلاف ہیں اُن سے بچنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے اور اگر ہم محض دُنیوی تدابیر سے کام لے کر یا اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ محنتی، زیادہ سے زیادہ ہُنر مند اور زیادہ سے زیادہ ہوشیار بنا کر اپنے آپ کو مغرب کا اچھا شاگرد بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن کریم کا یہ وعدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مغرب کے اچھے شاگردوں کی مدد کرے گا۔ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [۲] اگر تم چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تم سے محبت کرے تو تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو جب چلو گے تو يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ خدا بھی تم سے محبت کرنے لگے گا۔ پس الٰہی تائید اور نصرت اِسی صورت میں آ سکتی ہے جب مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

کئی سالوں کی بات ہے مَیں ڈلہوزی میں تھا کہ وہاں ایک مسلمان رئیس نے ایک پارٹی دی۔ یہ پارٹی ایک جرنیل کے اعزاز میں دی گئی تھی جن کا نام پرسی کاک تھا۔ اس مسلمان رئیس نے مجھے بھی شمولیت کی دعوت دی اور اصرار کیا کہ میں اس میں ضرور شامل ہوں۔ میں نے کہا ایسی پارٹیوں میں شامل ہونا میرے لئے مشکل ہوتا ہے کیونکہ پارٹیوں میں عورتیں بھی آتی ہیں اور وہ بعض دفعہ مصافحہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اسلام نے چونکہ عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز قرار دیا ہے اس لئے جب مصافحہ سے انکار کیا جاتا ہے تو وہ بُرا مناتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ان کی ہتک کی گئی ہے۔ ایسی صورت میں یہی بہتر ہوتا ہے کہ انسان پارٹی میں شامل ہی نہ ہوتا کہ وہ دوسرے کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ بنے مگر انہوں نے زیادہ اصرار کیا، آخر میں نے کہا میں اس شرط آؤں گا کہ مجھے وہاں ایک کونے میں بٹھا دیا جائے۔ اتفاق کی بات ہے پرسی کاک نے میرا ذکر سنا ہوا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بھی اس پارٹی میں آیا ہوا ہوں تو وہ اپنی بیوی سمیت اُس کونہ میں ہی آ پہنچے جہاں مَیں بیٹھا ہوا تھا اور انہوں نے آگے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اس کے بعد ان کی بیوی نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا مگر میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا میرا ہاتھ پیچھے ہٹانا تھا کہ اس کا رنگ فق ہو گیا اور اس نے سمجھا کہ ساری مجلس میں مجھے ذلیل کر دیا گیا

ہے۔ پرسی کاک کو بھی اپنی ہتک محسوس ہوئی اور اس نے کہا میرا خیال تھا کہ آپ کی جماعت بڑی ایڈوانسڈ (Advanced) ہے میں نے کہا یہ آپ کی غلطی ہے ہماری جماعت تو تیرہ سَو سال پیچھے جانے کی کوشش کرتی ہے ہم نہیں جانتے کہ ہم اس مقصد میں کتنا کامیاب ہوتے ہیں مگر بہر حال ہم آگے نہیں جاتے بلکہ ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہم آج سے تیرہ سَو سال پیچھے کی طرف جائیں۔ وہ آدمی شریف تھا میری بات کو سمجھ تو گیا مگر میں نے دیکھا کہ اس کی بیوی نے اس میں ایسی ذلّت محسوس کی کہ یوں معلوم ہوتا تھا وہ بے ہوش جائے گی۔ آخر میں نے اس کی دلجوئی کیلئے اپنی بیوی سے اسے چٹھی لکھوائی اور اسے دعوت پر بُلایا، اس کے خاوند کو بھی بُلوایا گیا اور ان سے باتیں ہوتی رہیں اور آخر وہ دونوں خوش ہو گئے مگر بہر حال اس کا طبائع پر اثر ضرور پڑتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے نتیجے میں لوگ ہمیں بُرا سمجھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے بدتہذیب لوگ ہیں، عورتوں کی بے عزتی کرتے ہیں حالانکہ سوال عورتوں کی بے عزتی کا نہیں بلکہ سوال اسلام پر عمل کرنے کا ہے۔ ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ہتک نہ ہو، ہم ان کے احترام کا خیال رکھتے ہیں، ہم ان کی جائز رنگ میں عزت کرتے ہیں مگر ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ اسلام کے کسی حکم کی بے قدری ہو۔

سر جارج کننگھم (SIR GEORGE CUNNINGHAM) ہمارے خاندانی دوست ہیں ان کے دادا کے ہمارے دادا کے ساتھ تعلقات تھے۔ شملہ میں وہ کئی دفعہ مجھے ملے۔ ایک دفعہ شملہ میں افغانستان کے سفیر نے ایک دعوت کی اور اس میں مجھے بھی بُلایا۔ نواب صاحب بھوپال اور میں اکٹھے ایک طرف بیٹھے تھے اتفاق کی بات ہے سر جارج کننگھم دوسری طرف تھے اور سر ہیری ہیگ اس طرف بیٹھے تھے جس طرف میں تھا۔ جب دعوت ختم ہوئی تو میں جلدی سے باہر نکلا کیونکہ میں جانتا تھا کہ انگریز افسروں کی بیویاں ان کے ساتھ ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھ سے مصافحہ کرنے کی کوشش کریں۔ میرے سیکرٹری جو میرے ساتھ تھے ان سے یہ غلطی ہوئی کہ اُنہوں نے آگے بڑھ کر کننگھم صاحب کے پاس میرا ذکر کر دیا اور کہا کہ وہ بھی اس دعوت میں شریک تھے اور اب جا رہے ہیں۔ کننگھم صاحب اپنی بیوی کو ساتھ لئے میرے پاس آ گئے۔ مصیبت یہ تھی کہ سارے گورنمنٹ آفیسرز ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے خود تو مصافحہ کر

لیا مگر جب ان کی بیوی نے مصافحہ کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا تو میں نے معذرت کر دی اور کہا کہ میں مصافحہ نہیں کرسکتا کیونکہ میرے مذہب نے عورت کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز قرار نہیں دیا۔ وہ آدمی بہت شریف تھے معذرت کرنے لگے کہ غلطی ہوگئی ہے۔ دوسرے دن انہوں نے خاص طور پر ایک آدمی میری طرف بھجوایا اور کہا کہ آج ساری رات مَیں نہیں سویا کیونکہ میری بیوی مجھے بار بار کہتی تھی کہ میری سخت ہتک کی گئی ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے تمام بڑے بڑے افسر موجود تھے اوران کے سامنے مجھے ذلیل کیا گیا ہے۔ دوسری طرف مجھے بار بار خیال آتا تھا کہ آپ کیا کہیں گے کہ ہم سے یہ اتنے پُرانے تعلقات رکھتا ہے مگر ابھی تک اسے ہمارا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں کہ ہم عورتوں سے مصافحہ کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ غرض انہی خیالات میں ساری رات گزر گئی کہ اِدھر میری بیوی اپنی ہتک محسوس کر رہی ہے اوراُدھر آپ بُرا منا رہے ہوں گے۔

پس اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کی بعض تعلیمیں ایسی ہیں جو موجودہ زمانہ کے لوگوں کو پسند نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر کسی سچے مؤمن کے سامنے یہ دونوں پہلو رکھ دیئے جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ترجیح دے گا۔ ایک طرف لوگوں کے خوش یا ناخوش ہونے کا سوال ہے اور ایک طرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش یا ناخوش ہونے کا سوال ہے۔ لازماً اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو خواہ لوگ ہم سے ناراض ہوں، خواہ وہ ہمیں اپنے نقطۂ نگاہ سے بدتہذیب قرار دیں، ہمارا فرض ہوگا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم پر عمل کریں اوراس امر کی پرواہ نہ کریں کہ لوگ ہمیں کیا کہتے ہیں اور میرا تجربہ یہ ہے کہ اگر لوگوں کو بتا دیا جائے کہ یہ اسلام کا ایک حکم ہے جس پر ہم عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں تو سوائے ان کے جن کے دلوں میں تعصب بھرا ہوا ہوتا ہے عموماً بڑے طبقہ کے لوگ بُرا نہیں مناتے بلکہ وہ اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

انگلستان کے سفر میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ جب بڑے طبقہ کے لوگوں کو اس بات کا علم ہو جاتا تھا کہ ہم عورتوں کی ہتک کے خیال سے نہیں بلکہ اسلامی حکم پر عمل کرنے کیلئے ان سے مصافحہ نہیں کرتے، وہ قطعاً بُرا نہیں مناتے تھے بلکہ ہمارے اس فعل کی تعریف کرتے تھے گو ایسا بھی تھا کہ بعض لوگ پھر بھی بُرا مناتے تھے۔ سرٹامس آرنلڈ[۵] جو علی گڑھ میں فلاسفی کے پروفیسر

رہے ہیں اور جو نیم مسلمان تھے اُنہوں نے تو اتنی مخالفت کی جس کی حد ہی نہیں۔ وہ لڑکوں کو کہیں کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ اسلام نے عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔ مَیں جب کسی مجلس میں جاتا اور وہ اس میں موجود ہوتے تو اُٹھ کر چلے جاتے اور کہتے کہ یہ عورتوں کی ہتک کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کچھ طالب علم آئے اور اُنہوں نے کہا کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ اسلام میں عورتوں سے مصافحہ کرنا ناجائز ہے؟ میں نے کہا کتابیں تو ہم اپنے ساتھ نہیں لائے مگر یہاں لائبریری موجود ہے اور اس میں ایسے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بخاری منگوائی اور اس میں سے حوالہ نکال کر بتایا کہ یہ حدیث موجود ہے۔ جس میں وضاحتاً ذکر آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت سے مصافحہ نہیں کیا مگر اس کے باوجود ان کی مخالفت قائم رہی حالانکہ اُس وقت میرے ساتھ جو سیکرٹری تھے اور جو مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے بڑے بھائی تھے ان کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔ ان کی بیوی نے اُنہیں بیٹوں کی طرح پالا ہوا تھا اور چونکہ وہ انہیں بچوں کی طرح سمجھتی تھیں اس لئے جب یہ گئے تو وہ ان کے ساتھ چمٹ گئیں اور کہنے لگی کہ تم تو میرے بچے ہو مگر باوجود اس کے کہ ایسے سیکرٹری میرے ساتھ تھے جن کے ان کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے پھر بھی جب میں کسی مجلس میں جاتا تو وہ اُٹھ کر بھاگ جاتے۔

غرض ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیم اور اسلامی قانون اپنے نفس پر جاری کرنے کی کوشش کریں اس کے بغیر ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ آجکل عام طور پر لوگوں میں یہ چرچا پایا جاتا ہے کہ پاکستان میں اسلامی آئین نافذ ہونا چاہئے مگر میری سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آئی کہ اسلامی آئین کے نفاذ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اصل سوال جو ہر فرد کے لئے قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی آئین میرے لئے ہے یا نہیں؟ جب اسلامی آئین ہر مسلمان کیلئے ہے تو مسلمان افراد اسلامی آئین پر خود عمل کیوں نہیں کرتے۔ کیا پاکستان میں کوئی ایسا قانون ہے کہ نماز نہ پڑھو؟ یا پاکستان میں کوئی ایسا قانون ہے کہ شریعت اسلامیہ کے اَور احکام پر عمل نہ کرو؟ جب نہیں تو مسلمان اگر سچے دل سے اسلامی آئین کے نفاذ کے خواہشمند ہیں تو وہ نمازیں کیوں نہیں پڑھتے؟ وہ اسلامی احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان

نے ایسے قانون نہیں بنائے جن کی وجہ سے ہر شخص کو نماز پڑھنے پر مجبور کیا جا سکے مگر سوال یہ ہے کہ اگر پاکستان نے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا تو کیا پاکستان کا کوئی قانون شراب پینے پر مجبور کرتا ہے یا ناچنے گانے پر مجبور کرتا ہے یا کوئی قانون یہ کہتا ہے کہ تم نماز نہ پڑھو۔ اگر تم مسجد میں گئے تو تمہیں چھ ماہ قید کی سزا دی جائے گی جب پاکستان میں اس قسم کا بھی کوئی قانون نہیں تو اگر ہم واقعہ میں سچے مسلمان ہیں تو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے قانونوں پر کیوں عمل نہیں کرتے اور کیوں اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ پاکستان ان امور کے متعلق کوئی قانون نافذ کرے۔ کیا پاکستان کا قانون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون سے زیادہ مؤثر ہوگا یا پاکستان کا قانون محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون سے زیادہ اہمیت رکھنے والا ہوگا ایک روحانی قانون ہمارے پاس موجود ہے اور اس قانون پر عمل ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون پر عمل کرتے ہوئے آج سارے مسلمان نمازیں پڑھنے لگ جائیں گے، ساری ویران مساجد آباد ہو جائیں تو کونسی گورنمنٹ انہیں اس سے روک سکتی ہے۔ یقیناً اگر وہ ایسا کریں تو اسلامی آئین خود بخود نافذ ہو جائے گا اور اس کے لئے کسی اور قانون کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

مَیں مانتا ہوں کہ بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو حکومت کے اختیار میں ہیں، ہمارے اختیار میں نہیں اور ان کے متعلق پاکستان کی آئین ساز اسمبلی ہی کوئی قدم اُٹھا سکتی ہے عوام کوئی اقدام نہیں کر سکتے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی طرف سے کوئی قدم کیوں نہیں اُٹھایا جاتا۔ اس بارہ میں جہاں تک مَیں نے غور کیا ہے میری رائے یہی ہے کہ وزراء اور ذمہ وار لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کا مطالبہ کرنے والے خود سنجیدہ نہیں۔ اگر سنجیدہ ہوتے تو اپنے گھروں میں اسلامی آئین کے ان حصوں پر کیوں عمل نہ کرتے جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جب وہ خود عمل نہیں کرتے تو معلوم ہوا کہ ان کا یہ مطالبہ کہ حکومت ملک میں اسلامی آئین کو کیوں جاری نہیں کرتی اپنے اندر کوئی حقیقی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر وزراء اور لیڈر یہ سمجھ لیں کہ پاکستان کا ہر مسلمان سچا مسلمان ہے اور وہ اسلام کے خلاف کسی کی کوئی بات ماننے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا خواہ وہ اس کا افسر ہو یا ماتحت، باپ ہو یا بیٹا تو پاکستان کا آئین فوراً اسلامی سانچے میں ڈھل جائے اور سورج غروب

ہونے سے پہلے پہلے وہ اپنے آپ کو اسلامی رنگ میں رنگین کرلیں۔ آخر حکومت کسی چیز کے زور پر چلتی ہے۔حکومت فوج کی طاقت پر چلتی ہے اگر ہر فوجی سچا مسلمان ہو، اگر ہر فوجی اسلام کیلئے اپنے دل میں سچی غیرت رکھتا ہو، اگر حکومت کو یقین ہو کہ اسلام کے خلاف کوئی بات کہی گئی تو ساری فوج میں بغاوت ہو جائے گی تو کونسی حکومت ہے جو اسلامی آئین کا نفاذ نہ کرے۔ اسی طرح حکومت اگر چلتی ہے تو پولیس کی طاقت پر۔ اگر پولیس کا ہر فرد سچا مسلمان ہو، اگر پولیس کا ہر فرد اپنے دل میں اسلام کیلئے سچی غیرت رکھتا ہو اور اگر حکومت کو یقین ہو کہ اسلام کے خلاف کوئی بات بھی پولیس برداشت نہیں کرسکتی، اگر کوئی ایسی بات کی گئی تو ساری پولیس میں بغاوت ہو جائے گی تو کونسی حکومت یہ طاقت رکھتی ہے کہ وہ اسلامی آئین کو نافذ نہ کرے۔ اسی طرح جس قدر محکمے ہیں سِول کے محکمے لے لو یا ملٹری کے اگر ان تمام محکموں میں کام کرنے والے سچے مسلمان ہوں تو ممکن ہی نہیں کہ ان کے متفقہ مطالبہ کے سامنے کوئی حکومت ٹھہر سکے کیونکہ وہ جانتی ہوگی کہ ان کے مقابلہ کی اس میں طاقت نہیں۔ فرض کرو پاکستان ایک فرد ہوتا اور ایک وزیر ہوتا گویا صرف دو وجود ہوتے تو کیا پاکستان کا وزیر اپنے اکلوتے بیٹے کو مارنے کی جرأت کرسکتا تھا؟ ایک بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے اس سے ہزاروں گنا زیادہ محبت انسان کو اپنے مذہب سے ہوتی ہے اور جب اسے معلوم ہو کہ اس کا ایک ہی بیٹا اس سے وہ چیز مانگ رہا ہے جس سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں اور کوئی نہیں تو کونسا انسان ہے جو یہ خیال بھی اپنے دل میں لا سکے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو وہ چیز نہیں دے گا یا اِسی رنگ کی ایک اور مثال لے لو۔ فرعون جس نے موسیٰ کے وقت میں بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا اس نے یہ فعل کس لئے کیا؟ اِسی لئے کہ فرعون جانتا تھا کہ اس کی حکومت کے ذمہ دار افراد اس فعل کو ناپسند نہیں کرتے۔ اگر یہی فیصلہ آج دنیا کی کوئی حکومت کرے اور وہ فیصلہ کر دے کہ سب بچوں کو مار دیا جائے تو کیا وہ حکومت ایک دن بھی قائم رہ سکتی ہے؟ جس دن وہ اپنی اس سکیم کا اعلان کرے گی اُسی دن لوگوں کی بغاوت اسے توڑ کر رکھ دے گی کیونکہ وہاں یہ سوال ہی نہیں ہوگا کہ پچاس فیصدی لوگ حکومت کے خلاف ہیں یا اسّی فیصدی بلکہ ساری کی ساری پبلک اس کے خلاف ہوگی اور وہ پبلک کے زور کے مقابلہ میں ایک دن کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکے گی۔ اسی طرح اگر پبلک سچے طور پر

مسلمان ہو تو اس کے فطرتی جذبات کا بہاؤ اور ان کا متفقہ مطالبہ خود اپنے اندر اتنی طاقت رکھتا ہوگا کہ حکومت ان کے سامنے اپنے ہتھیار پھینکنے کیلئے تیار ہو جائے گی۔ آخر انسان جانور سے تو زیادہ عقل رکھتا ہے۔ جانوروں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو کتے آپس میں لڑنے لگے ہیں تو پہلے وہ ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں اور تھوڑی دیر تک غوں غوں کرتے رہتے ہیں پھر ان میں سے ایک کتا اپنی دُم نیچی کر کے چلا جاتا ہے کیونکہ وہ محسوس کر لیتا ہے کہ دوسرا کتا مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ اگر کتے میں یہ حس پائی جاتی ہے کہ وہ زیادہ طاقتور کتے کے سامنے اپنی دُم جھکا دیتا ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک حکومت سنجیدگی سے یہ سمجھ کر کہ تمام لوگ متفقہ طور پر اس سے ایک مطالبہ منوانے پر تُلے ہوئے ہیں اور پھر بھی وہ ان کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دے ایسی صورت میں حکومت ایک دن تو کیا ایک منٹ کیلئے بھی نہیں چل سکتی۔ افسر چپڑاسی کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کام کرو۔ اس پر وہ فوراً شور مچا دیتا ہے کہ میں اس حکم کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ تم اسلام پر عمل نہیں کرتے۔ مرد اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو وہ اس سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیتی ہے اور کہتی ہے میں تم سے نہیں بول سکتی کیونکہ تم سچے مسلمان نہیں۔ اگر ہر گھر اور ہر محکمہ میں اس طرح ہونے لگے تو بتاؤ کسی حکومت کی کیا طاقت رہ جاتی ہے۔

پس ہمارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے اندر اسلام پیدا کرنے کی کوشش کریں اگر ہم اپنے اندر اسلام پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو محض آئین اسلام کے نفاذ کا شور مچانا بالکل بے فائدہ ہے۔ مثلاً اگر ہم اپنے دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں تو نماز کے متعلق اگر کوئی قانون بھی بن جائے تو ہمیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو نماز نہیں پڑھتا اس لئے نہیں کہ وہ نماز کا قائل نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے اگر ہم نماز نہیں پڑھیں گے تو وہ ہمیں بخش دیگا۔ آخر اُس نے گنہگاروں کو ہی بخشنا ہے اگر گناہ کرنے والے نہ ہوئے تو وہ بخشے گا کن کو؟ یہ جواب غلط ہے یا صحیح اس کے متعلق بحث نہیں بہرحال یہ ایک جواب ہے جو اُنہوں نے سوچا ہوا ہے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ احکام پرانے زمانہ میں محض عربوں کی اصلاح کیلئے دیئے گئے تھے۔ عرب لوگ بالکل وحشی تھے اور وہ سخت غلیظ رہتے

تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دے دیا کہ تم اپنے کپڑوں اور بدن کو صاف رکھا کرو اسی طرح ان میں کوئی تنظیم نہیں تھی وہ بالکل پراگندہ حالت میں تھے اسلام نے ان کو حکم دے دیا کہ وہ پانچ وقت مسجد میں اکٹھے ہو جایا کریں۔ اس طرح گو بظاہر نماز کا حکم دیا گیا مگر دراصل یہ غرض تھی کہ وہ خدا تعالیٰ کے ڈر کے مارے جب مسجد میں آئیں گے اور انہیں قوم اور ملک کے حالات بتائے جائیں گے تو ان میں سیاسی بیداری پیدا ہو جائے گی اور وہ دنیا پر غالب آنے کی کوشش کریں گے۔

مجھے یاد ہے میں بچہ تھا کہ میں نے ایک اخبار میں ایک دفعہ اس کے متعلق ایک مضمون پڑھا۔ ایک صاحب جو مسلمانوں کے مبلغ سمجھے جاتے تھے اور جاپان اور امریکہ میں تبلیغ کر کے آئے تھے انہوں نے واپس آنے پر علی گڑھ میں ایک لیکچر دیا جو اخبار میں شائع ہوا اور میں نے بھی پڑھا۔ اس لیکچر میں انہوں نے بیان کیا کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ نماز بڑی ضروری چیز ہے اور پانچ وقت مسجد میں باجماعت ادا ہونی چاہئے، دراصل ایسا کہنے والے حقیقت پر کبھی غور نہیں کرتے وہ یہ سمجھتے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ پُرانے زمانے کے لحاظ سے اس کے احکام اَور رنگ رکھتے تھے اور اِس زمانہ کے لحاظ سے اَور رنگ رکھتے ہیں۔ بے شک احکام وہی رہیں گے مگر حالات کے لحاظ سے ان کی ہیئت بدلتی چلی جائے گی۔ عرب لوگ جاہل تھے وہ ننگے رہتے تھے۔ کپڑے اُن کے پاس بہت کم ہوا کرتے تھے اس لئے اُن کو سجدہ اور رکوع کا حکم دے دیا گیا۔ مگر اب وہ زمانہ ہے کہ اگر سجدہ کیا جائے یا رکوع کے لئے جھکا جائے تو پتلونوں کی کریزیں بالکل خراب ہو جائیں۔ اِس زمانہ میں اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو وہ یقیناً اس حکم میں ترمیم کرتے اور یقیناً وہ یہی کہتے کہ بنچ پر بیٹھے بیٹھے اگر سر جھکا لیا جائے تو اتنا ہی کافی ہے رکوع اور سجدہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح روزہ ہے یہ روزہ ان لوگوں کیلئے ہے جو بہت کھا جاتے ہیں۔ عرب لوگ وحشی تھے اور وہ اپنے معدہ کا خیال نہیں رکھتے تھے اس لئے اسلام نے انہیں روزوں کا حکم دے دیا مگر اب تہذیب کا دَور دورہ ہے اب لوگ اپنے پیٹ کا خیال رکھتے ہیں۔ اب اگر صبح شام صرف ناشتہ کر لیا جائے اور کیک بسکٹ کھائے جائیں لیکن دن بھر کچھ نہ کھایا جائے تو روزہ کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ غرض مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان

عبادات کے متعلق دل سے یہ کہتے ہیں کہ یہ آؤٹ آف ڈیٹ (OUT OF DATE) ہیں موجودہ زمانہ میں ان کی ضرورت نہیں۔ ایسا آدمی جو دل سے اسلامی احکام کی قدر و منزلت کا قائل نہیں اگر اس کے لئے یہ قانون بنا دیا جائے کہ نماز پڑھو تو وہ بے شک لوگوں کے دکھاوے کے لئے نماز تو پڑھ لے گا مگر دل میں یہی کہتا جا رہا ہوگا کہ خدا ان لوگوں کا بیڑا غرق کرے جو اس قسم کا قانون بنانے والے ہیں۔ آپ لوگ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہہ رہے ہوں گے اور وہ اپنے آپ پر بھی اور اس قسم کا قانون بنانے والے پر بھی لعنتیں ڈال رہا ہوگا۔ پس بے شک ظاہر میں وہ نماز پڑھ لے گا مگر اس کی نماز حقیقتاً نہیں ہوگی کیونکہ اصل نماز دل کی نماز ہے۔ جہاں مَیں اس شخص کا مخالف ہوں جو کہتا ہے کہ نماز تو دل کی ہی نماز ہے ظاہری حرکات کی کیا ضرورت ہے وہاں مَیں اس شخص کا بھی مخالف ہوں جو صرف ظاہر میں نماز پڑھ لینا کافی سمجھتا ہے دل کے اخلاص اور دل کے سوز اور دل کی محبت کا وہ قائل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز ظاہر کی بھی ہے اور دل کی بھی اور ان دونوں چیزوں کا مجموعہ انسان کیلئے برکت کا موجب ہوتا ہے اگر ہم دل میں خدا خدا کرتے ہیں مگر ظاہر میں نماز نہیں پڑھتے تو ہمارا دل سے خدا خدا کہنا محض دھوکا اور فریب ہوگا کیونکہ محبوب کی بات مانا کرتے ہیں یا اس کی بات کا انکار کیا کرتے ہیں؟ عجیب بات یہ ہے کہ ایک طرف تو ہم خدا تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری طرف ہم اپنی محبت کا کوئی ثبوت پیش کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اس نے کہا ہے سجدہ کرو مگر ہم سجدہ کرنے کیلئے تیار بھی نہیں ہوتے۔ یا ظاہر میں تو نماز پڑھی جائے مگر دل خدا کی طرف متوجہ نہ ہو تو یہ بھی کوئی نماز نہیں ہوگی بلکہ محض ایک ورزش کہلائے گی۔ جیسے ورزش سے سپاہی کا جسم مضبوط ہوتا ہے اسی طرح نماز سے اس کا جسم تو مضبوط ہوگا مگر اس کے دل میں نورِ ایمان پیدا نہیں ہوگا۔

چند ماہ کی بات ہے میں سندھ گیا تو وہاں ایک ہندو مجھ سے ملنے کیلئے آیا وہ وہاں سے بھاگا نہیں تھا کیونکہ اس کے مسلمانوں سے تعلقات تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے مسلمانوں سے دیر سے تعلقات چلے آ رہے ہیں کبھی تم نے ان کے دین پر بھی غور کیا ہے؟ وہ کہنے لگا سب مذاہب اچھی باتیں کہتے ہیں ہمارا مذہب بھی اچھا ہے اور آپ کا مذہب بھی اچھا ہے۔ میں نے

کہا اگر سب میں ایک جیسی اچھی باتیں ہیں تو پھر تم مسلمانوں کے ساتھ مل کیوں نہیں جاتے آخر کوئی نہ کوئی فرق ہی ہے جس کی وجہ سے تم ہندو اور ہم مسلمان ہیں۔ اگر ان دونوں مذاہب میں ایک جیسی باتیں پائی جاتی ہیں تو یا تو تم مسلمان بن جاتے یا ہم ہندو بن جاتے بہرحال کوئی نہ کوئی فرق ضرور تسلیم کرنا پڑے گا جس کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اپنا علیحدہ وجود قائم رکھنا چاہئے۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ کبھی تم نے نماز اور دیگر عبادات کا اپنے مذہب کی عبادات سے مقابلہ کیا اور یہ دیکھا کہ ان میں سے کونسی عبادت زیادہ بہتر ہے؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ کعبہ اور دیر تو دونوں دل میں ہیں کسی ظاہری نماز کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ فرمایئے آپ شادی شدہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا بچے بھی ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ بچے بھی ہیں۔ میں نے کہا تم نے کبھی بیوی بچوں کو پیار بھی کیا ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں کیا۔ میں نے کہا اصل پیار تو دل کا ہوتا ہے پھر آپ ظاہر میں پیار کیوں کرتے ہیں؟ اسی لئے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس پیار کی کوئی ظاہری علامت بھی ہونی چاہئے۔ اگر بیوی سے پیار کرنے کیلئے آپ دل کا پیار کافی نہیں سمجھتے، بچوں سے پیار کرنے کیلئے صرف دل کا پیار کافی نہیں سمجھتے بلکہ انہیں بوسہ بھی دیتے ہیں تو خدا کے پیار کے معاملہ میں یہ آپ کیوں کہتے ہیں کہ کعبہ اور دیر تو دونوں دل میں ہیں کسی ظاہری عبادت کی ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں چیزیں ضروری ہیں دونوں مل کر انسان کو کامل بناتی ہیں اگر یہ دونوں چیزیں ملائی نہ جائیں تو کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر اچھی سے اچھی چیز آپ لوگ ایسے برتن میں لیں گے جو غلیظ ہوگا تو وہ چیز بھی غلیظ ہو جائے گی اور اگر بغیر برتن کے اس چیز کو لیں گے تو وہ صرف گر جائے گی گویا برتن کی بھی ضرورت ہے اور پھر اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ وہ برتن اچھا ہو اسی طرح نماز و روزہ اور حج اور زکوٰۃ اور دوسری عبادتوں کا حال ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اِدھر یہ فرمایا ہے کہ قربانی کرو مگر اُدھر یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم یہ مت سمجھو کہ قربانی کا گوشت اور خون خدا کو پہنچتا ہے خدا کو صرف دل کا اخلاص پہنچتا ہے مگر باوجود اس کے کہ قربانی کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچتا خدا تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ قربانی نہ کرو بلکہ کہا ہے کہ قربانی تو کرو مگر یہ سمجھتے ہوئے کرو کہ میں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اپنے محبوب کی بات پوری کرنے کیلئے اور

ان مقاصد کی تکمیل کیلئے جو خدا تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں قربانی کر رہا ہوں۔ مثلاً وہ غریب آدمی جو فاقے کرتا ہے یا وہ غریب آدمی جو ہمیشہ دال روٹی کھاتا ہے اس ذریعہ سے اُسے بھی گوشت مل جاتا ہے۔ گویا دل بھی صاف ہوتا ہے ہمسایوں اور غرباء کے لئے محبت کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کا حکم بھی پورا ہو جاتا ہے۔ پس ہمارے لئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کریں اگر ہم ایسا کریں تو حکومت سے تعلق رکھنے والے اسلامی احکام کی طرف بھی ذمہ دار لیڈروں کو فوراً توجہ پیدا ہو جائے گی اور وہ اس بات پر مجبور ہو جائیں گے کہ اسلامی آئین نافذ کریں مگر اس سلسلہ میں بعض اور امور بھی ہیں جو ہمیں اپنے مدنظر رکھنے چاہئیں۔

تاریخ کے طالب علم اس بات کو جانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں ہر حکومت مذہبی کہلاتی تھی یا اگر مذہبی نہیں تو نیم مذہبی ضرور کہلاتی تھی۔ اگر ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اسلامی حکومت قائم کریں گے تو ضروری ہے اس کا ردِ عمل پیدا ہو اور ہمارا مدمقابل یہ کہنے لگ جائے کہ ہم ہندو حکومت قائم کریں گے۔ اِس زمانہ میں جو حکومتیں قائم ہیں یہ بھی ہیں تو مذہبی، یہ نہیں کہ لوگوں نے مذہب چھوڑ دیا ہے مگر اب دنیا نے پُرانے طریق کو چھوڑ کر یہ نیا طریق حکومت اختیار کر لیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہماری حکومت آزاد ہوگی اور اس میں کسی مذہب کی خاص طور پر تائید نہیں کی جائے گی مگر اِس رنگ میں ہم بھی قانون بنا دیں اور اعلان کر دیں کہ ہم قرآن کریم اور اسلام کی حکومت تو قائم کریں گے مگر ہندوؤں اور عیسائیوں اور دوسرے غیر مذاہب والوں کو مجبور نہیں کریں گے کہ وہ بھی ان احکام پر عمل کریں تو یقیناً ہم ایک ایسی حکومت قائم کریں گے جو عدل وانصاف کے آئین پر مبنی ہوگی اور جس میں ہر مذہب کے حقوق پوری طرح محفوظ ہوں گے اور یہی اصل اسلامی تعلیم ہے۔ آخر اسلام کی یہ کہاں تعلیم ہے کہ ایک ہندو کو بھی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے مجبور کیا جائے یا ایک عیسائی کو بھی اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اسلام ہر غیر مذہب کے پَیروکو اپنے مذہبی احکام کی بجا آوری میں کامل آزادی عطا کرتا ہے لیکن اگر غیر مذاہب والوں سے مسلمان یہ کہیں کہ ہم تم سے اپنی بات منوائیں گے تمہاری بات نہیں سنیں گے تو نہ صرف یہ کہ ہمارا ایسا کہنا اسلام کے خلاف ہوگا بلکہ اس کا ردِ عمل یہ

پیدا ہوگا کہ انڈین یونین اِس بات پر زور دینے لگ جائے گی کہ ہم ویدوں کی حکومت ہندوستان میں قائم کریں گے اور وہ بھی مسلمانوں سے یہ کہنے لگ جائے گی کہ ہم تم سے اپنی بات منوائیں گے تمہاری نہیں سنیں گے حالانکہ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم قرآن کریم کی حکومت دنیا میں قائم کریں گے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہر غیر مذہب کے پیرو کو کامل آزادی حاصل ہوگی اُسے مجبور کر کے اسلامی احکام پر عمل نہیں کرایا جائے گا چنانچہ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں یہ فرمایا ہے کہ یہودی اپنی تعلیم پر عمل کریں اور عیسائی اپنی تعلیم پر عمل کریں۔ اس اصولی حکم کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ پاکستان گورنمنٹ میں ہر مسلمان کو قرآن کریم کے بتائے ہوئے احکام کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنی پڑے گی اور اس پر انہی احکام کا نفاذ ہوگا جو قرآن کریم نے بتائے ہیں۔ عیسائی اگر چاہتے ہیں کہ بائبل پر عمل کریں یا ہندو اگر چاہتے ہیں کہ ویدوں پر عمل کریں تو بے شک کریں انہیں اس میں کامل آزادی ہوگی تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اپنے مذہب کو ہم پر زبردستی ٹھونسا جاتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا ایک ایسا امتیازی وصف ہے جو اس کی فضیلت کو نہایت واضح طور پر ظاہر کرتا ہے مگر افسوس ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد لوگوں نے اِس مسئلہ کو پوری طرح سمجھا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام ڈیموکریٹک اصول اسلام نے ہی دنیا میں قائم کئے ہیں مگر جب مسلمانوں میں تفرقہ و انشقاق پیدا ہوگیا اور خلافت راشدہ کی برکات سے وہ محروم ہوگئے تو نظامِ خلافت کو قائم رکھنے کی بجائے وہ ملوکیت کی طرف مائل ہوگئے مگر اس لئے نہیں کہ ان کے اندر ایمان نہیں تھا یا وہ سمجھتے تو تھے کہ اسلام ملوکیت کے خلاف تعلیم دیتا ہے مگر پھر بھی وہ اس کو جاری رکھنے پر مصر تھے بلکہ اس لئے کہ وہ دلی یقین کے ساتھ اِس امر پر قائم تھے کہ قرآن کریم یہی کہتا ہے کہ بادشاہت قائم کی جائے۔ بے شک ہم کہیں گے کہ وہ اس نظریہ میں غلطی پر تھے مگر وہ سمجھتے یہی تھے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اسلام کی تعلیم اِسی کے حق میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی زمانہ اِس قسم کا تھا کہ لوگ ڈیموکریٹک رول کو سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ خلفائے اربعہ تک تو یہ نظام قائم رہا مگر اس کے بعد چونکہ وہ لوگ کم ہوگئے جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست فیض حاصل کیا تھا اور نورِ نبوت سے بُعد ہوگیا اس لئے انہوں نے نظامِ خلافت کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ وہ میتھر ڈ آف ری پریزینٹیشن (Method of representation) تھا جو

اتفاقی طور پر قائم ہو گیا اور باوجود اس کے کہ وہ ایماندار تھے اُنہوں نے اسلامی نظامِ خلافت کو بدل دیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں یہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ آہستہ آہستہ جب خیالات ترقی پذیر ہوئے اور مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں تو انہیں محسوس ہوا کہ ہمارے ہاں تو یہ احکام پہلے سے موجود ہیں ہم اگر ڈیماکریسی اختیار کرتے ہیں تو ہم یورپ کی نقل نہیں کرتے بلکہ اسلام کی صحیح تعلیم پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً آزادیٔ مذہب کو ہی لے لو باوجود اِس کے کہ اس زمانہ میں لوگوں نے ڈیماکریسی کو نہیں سمجھا پھر بھی اس زمانہ میں یہودیوں سے یہودی مذہب پر اور عیسائیوں سے عیسائی مذہب پر ہی عمل کرایا جاتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو زبردستی اسلام کے احکام پر عمل کرنے کیلئے مجبور کیا جاتا۔ یہی کام حضرت ابوبکرؓ نے کیا، یہی کام حضرت عمرؓ نے کیا، یہی کام حضرت عثمانؓ نے کیا، یہی کام حضرت علیؓ نے کیا۔ اس کے بعد بے شک مسلمانوں میں بغاوت ہوئی اور ان کا آپس کا تفرقہ اور شقاق بڑھتا چلا گیا مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ اُنہوں نے اس اصل کو ترک کر دیا ہو۔ بنواُمیہ آئے تو انہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، بنوعباس آئے تو اُنہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، سلجوقی آئے تو اُنہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، فاطمی آئے تو اُنہوں نے بھی اِسی پر عمل کیا، تُرک آئے تو اُنہوں نے بھی اسی پر عمل کیا اور وہ اسلامی تعلیم کے مطابق یہودیوں اور عیسائیوں اور دیگر تمام مذاہب کے پیروؤں کو ہمیشہ کامل آزادی دیتے رہے اور ان کے حقوق تسلیم کرتے رہے جب اسلام کمزور ہو گیا تو یوروپین قوموں نے اسی چیز کو کیپی چولیشنز (Capitulations) کے نام سے اسلام پر حملہ کا ایک ذریعہ بنالیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ پولیٹیکل حقوق تھے جو ہم نے اپنے زورِ بازو سے مسلمانوں سے حاصل کئے تھے مسلمانوں نے ہم پر کوئی احسان نہیں کیا تھا۔ مسلمانوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم اسلام کی اس تعلیم پر عمل کرتے ہیں حالانکہ اگر اپنے ملک میں وہ غیر مذاہب والوں کو اس لئے آزادی دے رہے تھے کہ اسلام نے اس آزادی کا حکم دیا تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ وہ دوسری قوموں سے بھی کہتے کہ ہمارے قرآن نے جب تمہیں مذہبی آزادی دی ہے اور ہم پولیٹیکل حقوق کی بناء پر نہیں بلکہ اسلام کے ایک حکم کی تعمیل میں تمہیں آزادی دیتے ہیں تو تمہارے ماتحت جو مسلمان آباد ہیں تم بھی ان کو آزادی دو اور ان کے حقوق کا خیال کرو مگر

چونکہ اس پر زور نہ دیا گیا اس لئے دشمن نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہمارے پولیٹیکل رائٹ تھے جو مسلمانوں نے تسلیم کر لئے تھے حالانکہ وہ پولٹیکل رائٹ نہیں تھے بلکہ اسلامی تعلیم کے ماتحت رحم دلی اور محبت کا ایک سلوک تھا جو اُن سے کیا گیا تھا۔غرض غیر مذاہب کے متعلق یہ تعلیم ایسی ہے جس پر تیرہ سَو سال سے عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔اگر آج بھی ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں سے یہ کہا جائے کہ پاکستان میں مسلمانوں کیلئے تو قرآن کریم اور سنت کے مطابق قانون بنا لئے جائیں گے لیکن اگر عیسائی چاہیں کہ انجیل کے مطابق ان کے قانون ہوں یا ہندو چاہیں کہ ویدوں کے مطابق ان کے قانون ہوں یا انجیل اور تورات اور ویدوں کی بجائے کوئی اور قانون اپنے لئے پسند کر لیں تو اس میں انہیں آزادی ہوگی اور حکومت اپنے مذہبی قوانین ان پر ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرے گی تو یقیناً ہم نہ صرف وہ بات پیش کریں گے جو اسلام کا عین منشاء ہے اور جس پر تیرہ سَو سال سے عمل ہوتا چلا آیا ہے بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مسلمان جو انڈین یونین میں بس رہے ہیں ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ باقی رہے پاکستان کے مسلمان سو یہ تو واضح بات ہے کہ جب نوے فیصدی مسلمان ممبر ہوں گے تو ان کی جو رائے ہوگی بہرحال قرآن کریم کے مطابق ہی ہوگی۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک مسلمان یہ رائے دے کہ ویدوں کی فلاں بات پر عمل ہونا چاہئے یا تورات کی فلاں بات پر عمل ہونا چاہئے۔ بہرحال وہ اسلامی قانون کے حق میں رائے دے گا اور اس طرح بغیر کسی خطرہ کے پاکستان میں مسلمانوں کے لئے جو بھی قانون بنے گا وہ قرآن اور سنت کے مطابق ہوگا لیکن یہ کہنا کہ ہم لٹھ کے زور سے اسلامی حکومت قائم کریں گے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی اسلام تعلیم نہیں دیتا۔

پس سب سے پہلی بات جو میں آپ لوگوں کی خدمت میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ ہم سطحی باتوں کی طرف جائیں ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ ہر مسلمان سچا مسلمان بن جائے اور ہر مسلمان قرآن کریم پر عمل کرنے لگے۔اگر ہم اصولی نکتہ کو نظر انداز کر دیں گے تو یقیناً اسلامی حکومت کے قیام میں ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔مثلاً مسلمانوں میں اِس وقت سینما کا عام رواج ہے اور وہ سینما دیکھنا کوئی معیوب بات نہیں سمجھتے۔اس کے مقابلہ میں جب اسلامی تعلیم کو دیکھا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مرد وعورت کے اختلاط کو منع کیا ہے۔ مگر سینما سارے کے سارے مرد وعورت کے اختلاط کا ہی نتیجہ ہوتے ہیں اگر وہ اختلاط نہیں کریں گے اگر وہ مل کر ناچیں گے نہیں تو فلم بن ہی کس طرح سکے گی۔ فلم اسی طرح بنتی ہے کہ مرد بھی ناچتے ہیں اور عورتیں بھی ناچتی ہیں گویا سینما کی فلم نہیں بن سکتی جب تک مرد اور عورت اکٹھے نہ ہوں لیکن اگر سینما کے خلاف ہی آواز اُٹھائی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی آئین کا شور مچانے والے سب سے پہلے اس کی مخالفت پر اُتر آئیں۔

میں جب حج کیلئے گیا تو جہاز میں میرے ساتھ تین بیرسٹر بھی سفر کر رہے تھے ان میں سے ایک ہندو تھا اور دو مسلمان مگر مسلمان بیرسٹر بھی آزاد خیال واقعہ ہوئے تھے اور وہ اسلام کے متعلق مختلف اعتراضات کرتے رہتے تھے جن کا میں جواب دیتا۔ ان کے ساتھ ہی ایک مسلمان لڑکا بھی تھا جس کی عمر ۱۲ سال کی ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی وہ اسلام پر کوئی اعتراض کرتے لڑکا رو پڑتا اور کہتا کہ تم اسلام پر کیوں اعتراض کرتے ہو؟ میں نے ایک دفعہ ان سے کہا کہ تم سے تو یہ لڑکا ہی اچھا ہے تم اتنے بڑے ہو کہ اسلام پر اعتراض کرتے ہو اور اس کی یہ حالت ہے کہ اسلام پر اعتراض ہو تو رو پڑتا ہے۔ وہ کہنے لگے آپ اس کی ظاہری نیکی پر نہ جائیں ہم ابھی اس کے مذہب کی حقیقت آپ پر کھول دیتے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے اس لڑکے کو بُلایا اور کہا اب تم انگلستان جا رہے ہو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہاں تمہیں جھٹکے کا گوشت ملے گا حلال گوشت نہیں ملے گا اس لئے انگلستان میں تمہیں بہر حال گوشت کھانا چھوڑنا پڑے گا۔ یہ سن کر وہ بے اختیار کہنے لگا میں تو گوشت چھوڑ نہیں سکتا۔ انہوں نے کہا دیکھ لیجئے آپ کہتے تھے اسے مذہب کا بڑا احساس ہے کیا مذہب کا ایسا ہی احساس ہوا کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیسیوں باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر قانون جاری کر دیا جائے اور لوگوں کے دلوں میں اسلام نہ ہو تو قانون کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا لیکن اگر دلوں میں اسلام ہو تو آپ ہی آپ اسلامی آئین نافذ ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس اسلام کو دلوں میں قائم کرنا ہمارا سب سے پہلا اور اہم فرض ہونا چاہئے۔ یہ لازمی بات ہے کہ اگر فرد مسلمان ہوگا تو ایسے افراد کا مجموعہ بھی اسلامی ہی ہوگا لیکن اگر فرد مسلمان نہیں ہوگا تو ان کا مجموعی نظام بھی اسلامی نہیں ہوگا۔ کچی اینٹوں سے جو عمارت تعمیر کی جائے وہ کبھی پکی نہیں ہو سکتی۔ وہ اینٹیں الگ الگ ہونگی تب بھی کچی ہوں گی ان اینٹوں کی

عمارت بنے گی تب بھی کچی ہوگی اور وہ اینٹیں ٹکڑے ٹکڑے ہونگی تب بھی کچی ہونگی۔ یہ نہیں ہوگا کہ عمارت تو کچی اینٹوں کی بنائی جائے مگر جب وہ مکمل ہوتو بجائے کچی اینٹوں کے پتھروں کی عمارت بن جائے۔ اسی طرح فرد مسلمان ہوگا تو ان کا مجموعی نظامِ حکومت بھی اسلامی ہوگا لیکن اگر فرد مسلمان نہیں ہوگا تو حکومت بھی اسلامی نہیں بن سکتی۔ اگر کچی اینٹوں کی عمارت بنانے کے بعد یہ ممکن ہے کہ مکمل ہوکر پکی عمارت بن جائے تو بے شک یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان فرد تو غیر اسلامی ہو اور حکومت اسلامی ہو لیکن اگر کچی اینٹوں کی عمارت پکی نہیں ہوسکتی تو ایسے افراد کے ذریعہ جو خود اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کیلئے تیار نہ ہوں ایک اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوسکتی ہے۔ بہرحال اینٹ کے مطابق عمارت ہوگی جیسی اینٹ ہوگی ویسی ہی عمارت ہوگی۔

اس کے علاوہ ایک اور بات جس کی طرف میں دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا میں بے شک اختلاف بھی ہوتا ہے مگر کچھ مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں اختلافات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ مرغیوں کو دیکھ لو چیل آتی ہے تو وہ اپنے بچوں کو اپنے پیروں کے نیچے اکٹھا کر لیتی ہے، کتے آپس میں لڑ رہے ہوتے ہیں مگر جب کوئی شخص ڈنڈا لے کر آ جائے تو وہ اپنی لڑائی فوراً بھول جاتے ہیں۔ جب جانور اپنے اندر اتنی عقل رکھتے ہیں کہ مصیبت کے وقت وہ آپس کی لڑائیوں اور اختلافات کو نظر انداز کر دیتے ہیں تو انسان کو تو بہرحال ان سے زیادہ بہتر نمونہ دکھانا چاہیئے۔

حضرت علیؓ اور معاویہؓ جب آپس میں لڑ رہے تھے تو روم کے بادشاہ نے ارادہ کیا کہ وہ اس اختلاف سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کر دے اور ان کی رہی سہی طاقت کو بھی توڑ دے۔ جب اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا تو اس کے جرنیل نے اسے کہا کہ آپ نے اگر حملہ کیا تو آپ غلطی کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ علی اور معاویہ آپس میں لڑ رہے ہیں مگر آپ کے مقابلہ میں وہ ضرور متحد ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُس نے چڑیا گھر سے شیر منگوایا اور دو کتے بھی منگوائے اس کے بعد اس نے دونوں کتوں کے آگے گوشت ڈال دیا وہ دونوں آپس میں لڑنے لگ گئے وہ لڑ ہی رہے تھے کہ اس نے پنجرہ میں سے شیر چھوڑ دیا۔ کتوں نے جب دیکھا کہ شیر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو وہ دونوں آپس کی لڑائی کو چھوڑ کر شیر کا مقابلہ کرنے لگ گئے۔ اس جرنیل

نے کہا یہی حال مسلمانوں کا ہے وہ آپس میں بے شک لڑ رہے ہیں مگر آپ کے مقابلہ میں انہوں نے اکٹھے ہو جانا ہے وہ جرنیل آخر دشمن تھا اور اس نے گندی مثال ہی دینی تھی مگر اس سے اتنا تو ظاہر ہے کہ کتوں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ خطرہ کے وقت آپس کی لڑائی کو بھول کر دشمن کے مقابلہ میں متحد ہو جاتے ہیں چنانچہ اس جرنیل نے جو بات کہی تھی ویسا ہی ہوا۔ حضرت معاویہ کو جب پتہ لگا کہ روم کا بادشاہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس نے اپنے سفیر کے ذریعہ بادشاہ کو ایک خط بھجوایا اور اس میں لکھا کہ بے شک حضرت علیؓ اور میں دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں مگر ہماری باہمی لڑائی سے آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپ نے اِس طرف رُخ کیا تو سب سے پہلا جرنیل جو حضرت علیؓ کی طرف سے آپ کے مقابلہ کیلئے نکلے گا وہ مَیں ہوں گا۔ گویا اُنہوں نے اعلان کیا کہ میں اُسی وقت اپنی بادشاہت کا دعویٰ چھوڑ دوں گا اور حضرت علیؓ کے ماتحت ہو کر تمہارے مقابلہ کیلئے نکل کھڑا ہوں گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روم کے بادشاہ نے مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

پس اختلافات بے شک ہوتے ہیں خاوند اور بیوی میں بھی اختلاف ہوتا ہے باپ اور بیٹے میں بھی اختلاف ہوتا ہے مگر یہ اختلافات ایک حد تک ہوتے ہیں۔ اِس وقت پاکستان ایسے حالات میں سے گزر رہا ہے کہ ہم کو اپنے وہ تمام اختلافات جو قومی شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہو سکتے ہیں قطعی طور پر فراموش کر دینے چاہئیں۔ مذہبی امور میں اگر ہمارا آپس میں اختلاف ہو تو یہ بالکل اور چیز ہے اور قومی اتحاد اور چیز ہے ہمیں اِس وقت اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر دنیا پر یہ واضح کر دینا چاہئے کہ مسلمان خواہ کسی قوم اور کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ رئیس ہو یا فقیر، مزدور ہو یا سرمایہ دار دشمن کے مقابلہ میں ایک اور قطعی طور پر ایک ہے۔ اگر پاکستان کی طرف کسی نے نظرِ بد اُٹھائی تو ہمارا ہر مرد، ہر عورت، ہر بچہ اور ہر بوڑھا اپنے آپ کو قربان کر دیگا مگر وہ اپنی آزادی کھونے کیلئے کبھی تیار نہیں ہوگا۔ اگر دنیا پر ہم اپنے اِس عزم کو واضح کر دیں تو میرے نزدیک نوے فیصدی اس بات کا امکان ہے کہ اگر کوئی پاکستان پر حملہ کرنے کی خواہش بھی رکھتا ہے تو نہیں کرے گا۔ مسلمانوں میں بے شک اور کئی قسم کی کمزوریاں پائی جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ مسلمان ابھی جان دینے سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا بعض دوسری قومیں ڈرتی

ہیں اور یہ سیدھی بات ہے کہ اگر لاکھوں کروڑوں کی قوم مرنے کیلئے تیار ہو جائے تو اس قوم کو کوئی مار نہیں سکتا۔ آج ہی ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کیا سمجھتے ہیں؟ میں نے کہا اِس میں میرے سمجھنے کا سوال نہیں اگر مسلمان بحیثیت قوم یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم مر جائیں گے تو یقیناً انہیں مارنے کی کوئی قوم طاقت نہیں رکھتی۔ دینی لحاظ سے بھی یہ ناممکن بات ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی ناممکن ہے۔ پس اگر ہماری زبانوں پر خالی نعرے نہیں ہوا کرتے بلکہ ہم واقعہ میں آزادی کے خواہشمند تھے اور آزادی کی قدر و قیمت کو سمجھتے تھے تو آزادی کی چھوٹی سے چھوٹی قیمت جان دینا ہوتی ہے۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں جان دینا سب سے بڑی قربانی ہے۔ جان دینا سب سے بڑی نہیں بلکہ سب سے چھوٹی قربانی ہے۔ اگر مسلمان اپنے اختلافات کو دور کر کے پاکستان کیلئے جان دینے کو تیار ہو جائیں تو مَیں یقین رکھتا ہوں اور میرا یقین ایک طرف تاریخ پر مبنی ہے جس کا مَیں نے کافی مطالعہ کیا ہوا ہے اور دوسری طرف قرآن پر مبنی ہے جو میرا خاص مضمون ہے اور اس لحاظ سے اِس میں ۱۰۰۰/۱ غلطی کا بھی امکان نہیں کہ اگر مسلمان واقعہ میں مرنے کیلئے تیار ہو جائیں تو مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان ایک دائمی حکومت بن جائے گی مگر میں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جیسے اور زبردست حکومتیں ایک لمبے عرصہ تک دنیا پر حکومت کرتی چلی جاتی ہیں اسی طرح پاکستان کے افراد اپنی اولادوں کیلئے ایک لمبا اور شاندار مستقبل قائم کر دیں گے۔

(الفضل ربوہ ۲۴/ اکتوبر + ۷/ نومبر ۱۹۶۲ء)

دوسری بات[۳] جو میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں اس کے متعلق خواہ آپ لوگ یہ سمجھ لیں کہ مجھے اُس کے متعلق ایک خبط ہے خواہ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ میں نے اِس تحریک میں کام کیا ہوا ہے اس لئے مجھے اُس کا احساس ہے بہرحال میں اُس کے متعلق آپ لوگوں کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ آزادیٔ کشمیر کے متعلق جو پہلی تحریک ہوئی تھی اُس کی ایسوسی ایشن کا میں پریذیڈنٹ تھا اور شیخ عبداللہ اور چوہدری غلام عباس صاحب میرے ماتحت کام کرتے رہے ہیں اب آزادیٔ کشمیر کے لئے دوسری ایجی ٹیشن شروع ہے اگر اِس وقت نقشہ ہوتا تو میں آپ لوگوں کو بتاتا کہ یہ قطعی طور پر ناممکن امر ہے کہ کشمیر کے نکل جانے کے بعد پاکستان اپنی موجودہ شکل میں

قائم رہ سکے۔ کشمیر نکل جانے کے بعد پاکستان کی حیثیت اس قسم کی ہو جاتی ہے اور پاکستان ایسے خطرات میں گھر جاتا ہے کہ اگر اُس کے ہمسائے اُس سے عداوت رکھتے ہوں جیسا کہ وہ رکھتے ہیں تو پاکستان کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ میں سمجھتا ہوں آج ہر پاکستانی مسلمان کے اندر یہ احساس ہونا چاہئے کہ آزاد کشمیر کے معاملہ میں دلچسپی لے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا معاملہ ایسی بے سروسامانی کے ساتھ شروع کیا گیا کہ جن دنوں کشمیر میں برف پڑ رہی تھی اور سردی اپنے زوروں پر تھی سپاہیوں کے پاس رات کو اوڑھنے کے لئے کپڑے تک نہ تھے۔ میرے نزدیک اُنہوں نے غیر معمولی قربانی سے کام لیا ہے اور اُن کی یہ روح اس قابل ہے کہ اُس کی تعریف کی جائے۔ نومبر کے آخر بلکہ دسمبر کے شروع میں یہ غور کیا جا رہا تھا کہ اُن کے لئے کہاں سے کپڑے مہیا کئے جائیں اور جنوری کے آخر میں اُنہیں کپڑے بھجوائے گئے مگر اِس عرصہ میں سردی سے جو اُنہیں نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ گیا اور فتح میں جو روکیں پیدا ہونی تھیں وہ پیدا ہو گئیں۔ اِس طرح اور بہت سی باتیں ہیں جن کو پبلک میں بیان کرنا مناسب نہیں مجھے چونکہ اس معاملہ سے دلچسپی ہے اس لئے مجھے وہاں کے سارے حالات معلوم ہیں اُن کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ وہاں کی حالت اِس قسم کی ہے جو خطرہ والی ہے اور حالات تسلی بخش نہیں اگر خدانخواستہ انڈین یونین کی فوجیں جیت جائیں تو یقیناً پاکستان کی حفاظت ناممکن ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معجزانہ رنگ میں کوئی اور صورت پیدا کر دے تو دوسری بات ہے اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں حاصل ہیں اور وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے لیکن ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اپنی عقل سے کام لیں اور خدا تعالیٰ کے مادی قانونوں پر غور کرتے ہوئے اپنی حفاظت کا سامان کریں کیونکہ قانون بھی اُسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ بہرحال وہاں کے حالات ایسے تسلی بخش نہیں پھر ہم مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں۔ میں نے اِس کے متعلق بعض تحریکات کی تھیں جن کی بناء پر ہفتہ کشمیر منایا گیا اور کچھ ضروری چیزیں فوجیوں کے لئے بھجوائی گئیں۔ ہماری یہ مدد فوج کے لئے کافی نہیں ہو سکتی لیکن یہ اُن کے حوصلوں کو بڑھانے والی ضرور ہے جیسے بچہ کے پیٹ میں درد ہوتا ہے تو ماں اُسے تھپکاتی جاتی ہے اور کہتی ہے ماں قربان تو کیوں روتا ہے۔ ماں قربان کہنے سے اُس کا درد کم نہیں ہو سکتا لیکن اِس ہمدردی کی وجہ سے اُس کی تکلیف کا احساس ضرور کم ہو جاتا ہے اِسی طرح اگر پاکستان کی طرف

سے کشمیر میں لڑنے والے مجاہدین کو کچھ نہ کچھ مدد پہنچتی رہے تو چاہے وہ مدد کتنی ہی قلیل ہو وہ لوگ سمجھیں گے کہ پاکستان کا ہر فرد ہم سے ہمدردی رکھتا ہے اور اِس کی وجہ سے ہماری بے سروسامان فوج کے حوصلے پہلے سے بہت زیادہ بڑھ جائیں گے پس آپ لوگ یہ نہ دیکھیں کہ آپ جو قربانی کر رہے ہیں وہ کتنی حقیر ہے یا آپ کی طرف سے جو انہیں مدد دی جا رہی ہے وہ کتنی قلیل ہے آپ اِس امر کو مدنظر رکھیں کہ آپ لوگوں کی حقیر سے حقیر مدد بھی یہاں سے پانچ سات سَو میل پر لڑنے والی مسلمان فوج کے حوصلوں کو بڑھا دے گی اور اُن کی کمر ہمت کو مضبوط بنا دے گی۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں سے ایک رئیس کے قبیلہ کے کچھ لوگ وہاں گئے ہیں مگر ایک قبیلہ کے کچھ لوگوں کا چلے جانا اور ساروں کا ایسی متفقہ کوشش کرنا جس سے معلوم ہو کہ ہر مسلمان مرد اور عورت اور بچہ اُن سے ہمدردی رکھتا ہے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر ہماری طرف سے اُنہیں تھوڑی بہت مدد برابر پہنچتی رہے تو یہ چیز اُن کے حوصولوں کو بڑھانے کا بہت بڑا ذریعہ بن سکتی ہے۔ آپ لوگ یہ مت دیکھیں کہ آپ زیادہ روپیہ نہیں دے سکتے آپ لوگ خواہ پیسہ پیسہ سے مدد کریں بہرحال یہ مدد متفقہ اور مسلسل ہونی چاہئے اگر اِس رنگ میں اُن کی مدد کا سلسلہ جاری رہے تو وہ سمجھیں گے کہ ہماری موت بیکار نہیں جائے گی بلکہ ہماری قوم ہمارے نام کو عزت کے ساتھ یاد کرے گی اور یہ چیز خود اپنی ذات میں ایسی اہمیت رکھتی ہے کہ لوگ اِس کے لئے بڑی بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ پس اس طرح بھی میں آپ لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ بلوچستان کشمیر سے بہت دور ہے اگر اتنی دور سے اور بلوچستان کے غیر معروف علاقوں سے بھی اُن کو مدد پہنچنی شروع ہو جائے تو لڑنے والے سپاہیوں کے حوصلے پہلے سے بہت زیادہ بلند ہو جائیں گے۔

ابھی اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے لاہور میں ایک ڈاکٹر صاحب مجھ سے ملنے کے لئے آئے وہ پونچھ کے محاذ پر کام کرتے رہے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ فوجی افسر تو وہاں کے حالات خطرناک بتاتے ہیں آپ یہ بتائیں کہ ہمارے سپاہیوں کی کیا حالت ہے آیا وہ تو مایوس نہیں؟ اُنہوں نے کہا ہمارے سپاہیوں کو پتہ ہی نہیں کہ اُن کا دشمن کتنا طاقتور ہے اور وہ اب تک بڑی دلیری سے لڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا چلو یہ بھی خوشی کی بات ہے اگر سپاہی کا دل ٹوٹ

جائے تو پھر وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

دوسری بات جو میں آپ لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں وہ کشمیر کے متعلق ہے امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے آپ لوگ پوری توجہ اِس طرح مبذول رکھیں گے۔

ہم نے اپنی آنکھوں سے مشرقی پنجاب میں مظالم دیکھے ہیں جن کے تصور سے بھی انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں چھوٹے چھوٹے بچوں کو نیزوں پر لٹکا کر مارا گیا، عورتوں کی بے حرمتیاں کی گئیں، مردوں کو قتل کیا گیا، مکانوں اور جائدادوں کو تباہ کیا گیا اور اِس قسم کے مظالم مسلمانوں پر کئے گئے جن کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

جن دنوں فسادات زوروں پر تھے میں نے قادیان والوں کو روک دیا تھا کہ پیدل مت آنا جس طرح بھی ہو سکا میں تمہارے لئے ٹرک بھجوانے کا انتظام کروں گا مگر ساٹھ ہزار کے قریب ریفیوجی باہر سے قادیان آ پہنچا ملٹری نے اُسے ڈرایا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہاری حفاظت نہیں کریں گے حفاظت تو وہ پہلے بھی نہیں کرتے تھے مگر بہرحال اُنہوں نے یہ بہانہ بنایا اوراس طرح ڈرادھمکا کر اُنہیں پیدل قافلہ کی صورت میں قادیان سے روانہ کر دیا۔ اِس قافلہ میں قریب کے گاؤں کی ایک احمدی عورت بھی شامل تھی اُس نے مجھ سے حلفیہ بیان کیا کہ بٹالہ کیمپ میں رات کے وقت ملٹری کے آدمی آئے اور وہ میرے پاس سے ایک عورت اُٹھا کر لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو وہ اُس عورت کو لائے اور اُسے وہیں میرے قریب ڈال کر چلے گئے۔ اُس عورت کو میں نے دیکھا اُس کی حالت بہت نازک تھی اور وہ بار بار بیہوش ہو جاتی تھی میں اُس کے قریب گئی اور اُس سے پوچھا بہن تمہارا کیا حال ہے؟ اُس نے بتایا کہ ملٹری کے آدمی ساری رات مجھ سے زنا کاری کرتے رہے ہیں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا آتا اور مجھ سے یہ فعل کرتا۔ میں بار بار بیہوش ہو جاتی مگر وہ اِس ظالمانہ فعل سے باز نہیں آتے تھے اب وہ ایسی حالت میں مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں جب کہ میں سمجھتی ہوں کہ اب میں بچ نہیں سکتی چنانچہ اس کے بعد اُس نے یکدم ایک ہچکی لی اور اپنی جان دے دی۔ دنیا کی تاریخ میں اِس بے حیائی اور سفاکی کی اور کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ وہ ملٹری جس کا کام پبلک کی حفاظت کرنا ہے وہ ملٹری جس کا کام لوگوں کے ننگ و ناموس کو بچانا ہے وہ ملٹری جو آزاد ممالک میں پبلک پر

فائرنگ کرنے سے بھی انکار کر دیا کرتی ہے وہ اتنا گندہ اقدام کرے کہ عورت جیسی چیز جس کی حرمت تمام دنیا میں تسلیم کی گئی ہے اُس کی عزت اور ننگ و ناموس چاک چاک کر دے۔ اِن نظاروں کے بعد یہ خیال کر لینا کہ اگر دشمن نے حملہ کیا تو ہم بھاگ کر اُس کے مظالم سے بچ جائیں گے قطعی طور پر غلط بات ہے۔

میں جب قادیان سے لاہور پہنچا تو لاہور کے ایک بڑے آدمی جو اسمبلی کے ممبر بھی ہیں مجھ سے ملنے کے لئے آئے اور اُنہوں نے بڑی گھبراہٹ میں مجھ سے ذکر کیا کہ سنا ہے اب لاہور پر بھی حملہ ہونے والا ہے اگر ایسا ہوا تو کیا ہوگا؟ میں نے کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کو ہی پتہ ہے کہ لاہور پر حملہ ہوگا یا نہیں لیکن اگر حملہ ہوا تو آپ یاد رکھیں کہ ہمارے لئے صرف دو جگہ موت مقدر ہے یا لاہور کے سامنے یا کراچی کے سمندر میں تیسرا مقام کوئی نہیں۔ پھر میں نے اُن سے کہا ابھی تک مشرقی پنجاب سے صرف تیس پینتیس لاکھ مسلمان آئے ہیں مگر اُن کو بسانے کے لئے بھی یہاں کوئی جگہ نہیں مل رہی۔ گزشتہ ہجرت کے موقع پر بیس ہزار مہاجر افغانستان گیا تھا مگر اُس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔ افغانستان نے بعض کو روس کی طرف دھکیل دیا۔ بعض کو ایران اور ترکی کی طرف بھجوا دیا اور کچھ لوگ پھر واپس ہندوستان آ گئے اگر تیس پینتیس لاکھ مہاجرین کو ابھی تک مغربی پنجاب میں جگہ نہیں ملی۔ اگر صرف بیس ہزار مہاجرین کو افغانستان پناہ نہیں دے سکا تو تین کروڑ مسلمان کس ملک میں سما سکتے ہیں بلکہ اگر ایسٹ پاکستان کے مسلمانوں کو شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد چھ سات کروڑ تک پہنچ جاتی ہے کیا دنیا میں کوئی بھی جگہ ہے جہاں یہ چھ سات کروڑ مسلمان سما سکے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اِن دو موتوں میں سے ایک موت ضرور مقدر ہے کہ لاہور کے سامنے دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے مریں گے یا ہم کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر مریں گے اب تم خود ہی سوچ لو تمہیں اِن دونوں موتوں میں سے کونسی موت زیادہ پسند ہے۔ تم لاہور کے سامنے دشمن سے لڑ کر عزت کی موت مرنا چاہتے ہو یا دشمن سے بھاگتے ہوئے کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر ذلت اور لعنت کی موت مرنا چاہتے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں فتح دے دے اور دشمن کو مغلوب کر دے لیکن اگر بھاگنے کا مرحلہ خدانخواستہ آیا تو سوائے اِس کے کہ ہم کراچی کے سمندر میں غرق ہو کر مر جائیں ہمارے

لئے اور کوئی صورت نہیں ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ بزدلی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کو بھاگنے کا کوئی راستہ نظر آ رہا ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میں اس طرح بچ جاؤں گا اگر بھاگنے کا رستہ اُسے نظر نہ آئے تو وہ ہرگز بُزدلی اور دون ہمتی سے کام نہیں لے سکتا۔ اِس کے متعلق ہمارا اپنا تجربہ ہے میں نے قادیان میں اِردگرد کے گاؤں والوں کو کہلا بھیجا کہ تم اپنے اپنے گاؤں میں ہی ٹھہرو اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرو ہم بھی تمہاری مدد کریں گے اِس پر ایک گاؤں والوں نے پیغام بھجوایا کہ اگر آپ دس مسلح آدمی بھجوا دیں تو ہم یہیں ٹھہرنے کے لئے تیار ہیں دوسرے دن میں نے اپنی جماعت کے ایک دوست کو جو ایم ایل اے ہیں اُن کی طرف بھیجا اور اُن سے کہا کہ آپ اُنہیں میری طرف سے جا کر کہہ دیں کہ ہم اپنے آدمی بھیجنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ گئے مگر جلدی واپس نہ آئے اس پر مجھے فکر پیدا ہوا کیونکہ اُن دنوں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا آخر عشاء کے وقت وہ واپس آئے اور اُنہوں نے بتایا کہ مجھے دیر اس لئے ہوگئی کہ میں جس گاؤں میں بھی جاتا اُسے خالی پاتا پھر آگے جاتا تو اگلے گاؤں میں بھی کوئی آدمی نظر نہ آتا جس گاؤں کی طرف آپ نے مجھے بھجوایا تھا اُسے بھی میں نے بالکل خالی پایا اِسی طرح بڑھتے بڑھتے میں بٹالہ تک جا پہنچا وہاں دیکھا کہ تمام گاؤں والے ریفیوجی کیمپ میں ڈیرے ڈالے پڑے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے تو کہا تھا کہ ہماری مدد کی جائے تو ہم یہاں ٹھہرنے کے لئے تیار ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ ہم تو ٹھہرنے کے لئے تیار تھے مگر ہمیں بٹالہ سے بعض دوستوں نے پیغام بھجوایا تھا کہ مغربی پاکستان کے وزراء روزانہ ریڈیو پر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ سکھوں کی زمینیں خالی ہیں جو مسلمان جلدی مغربی پنجاب میں آئیں گے اُنہیں اچھی زمینیں مل جائیں گی اور جو پیچھے آئیں گے وہ محروم رہ جائیں گے اِس لئے ہم اپنے گاؤں کو خالی کر کے آ گئے۔ اور تو اور بٹالہ جو ساٹھ ہزار کی آبادی کا شہر تھا اور جس میں صرف تھوڑے سے سکھ رہتے تھے وہ بھی چند گھنٹوں کے اندر خالی ہو گیا۔ سب کے سب مسلمان اپنے گھروں کو چھوڑ کر ریفیوجی کیمپ میں آ گئے۔ دو دفعہ اپنے آدمی مغربی پنجاب کے وزراء کے پاس بھیجے اور ان سے کہا کہ اس قسم کے اعلانات کر کے تم ہم سے دشمنی کر رہے ہو تم کہو کہ ہم کسی کو مغربی پنجاب میں گھسنے نہیں دیں گے

اعلان کرو کہ اگر کوئی اس طرف آیا تو ہم اُسے گولی مار دیں گے جب تک تم اس قسم کا اعلان نہیں کرو گے لوگوں کے اندر مقابلہ کی روح پیدا نہیں ہوگی۔ وہ تمہارے اعلانات کی وجہ سے بزدل اور بھگوڑے بن گئے ہیں مگر میری بات کی کسی نے پرواہ نہ کی۔ ہمارا اپنا فیصلہ یہی تھا کہ ہم آخر وقت تک قادیان کو نہیں چھوڑیں گے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہزاروں مشکلات کے باوجود میں نے قادیان کو اب تک نہیں چھوڑا مگر ہم یہ بھی سمجھتے تھے کہ کسی طرح اِردگرد کے گاؤں کے لوگ بھی بیٹھے رہیں اور اس طرح دشمن کے مقابلہ میں ایک متحدہ محاذ قائم رہے مگر افسوس ہے کہ وہ اپنا علاقہ خالی کر کے آ گئے۔

بہرحال جب تک دل میں یہ امید ہوتی ہے کہ میرے بچاؤ کی فلاں جگہ موجود ہے اُس وقت تک بزدلی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر فلاں جگہ میں پہنچ گیا تو دشمن کے حملہ سے بچ جاؤں گا۔ پاکستان کے مسلمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ باہر کا کوئی اسلامی ملک پانچ چھ کروڑ افراد کو پناہ نہیں دے سکتا اُن کے لئے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو اُنہیں اِس ملک میں رہ کر مرنا پڑے گا یا ہندو اور سکھ بن کر گزارہ کرنا پڑے گا اگر وہ کہتے ہیں کہ باہر کا کوئی اسلامی مُلک اُن کو پناہ دینے کے لئے تیار ہو جائے گا تو وہ اِس بارہ میں شدید ترین غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جو اتنی بڑی تعداد کو اپنے ہاں پناہ دے سکے لیکن اگر وہ اس ملک میں رہ کر دشمن سے لڑیں گے اور اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو لڑائی میں دونوں امکانات ہوتے ہیں فتح کے بھی اور شکست کے بھی۔ وہ دشمن پر غلبہ بھی پا سکتے ہیں اور عزت اور نیک نامی کے ساتھ اپنی جان بھی دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ بھاگے تو ضرور ذلیل ہونگے اور دشمن کے ہاتھ سے مارے جائیں گے گویا لڑائی میں دونوں باتیں پہلو بہ پہلو ہیں وہ مر بھی سکتے ہیں اور جیت بھی سکتے ہیں لیکن بھاگنے میں جیتنے کا کوئی امکان نہیں اِس میں سَو فیصدی شکست ہے اور اِس میں سَو فیصدی ذلت اور لعنت کی موت ہے پس ہمیں اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کرنی چاہئے بیشک لڑائیوں میں لاکھوں انسان مرتے ہیں لیکن دنیا میں کون انسان ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ میں اتنی مدت تک یقینی طور پر زندہ رہوں گا۔ کس کو پتہ ہے کہ اُس کی کتنی زندگی ہے کیا کوئی اتنا بھی کہہ سکتا ہے کہ میں شام تک ضرور زندہ

رہوں گا؟ جب شام کو ایک شخص ہیضہ سے مر سکتا ہے تو اگر وہ اپنے ملک کی حفاظت کے لئے دشمن سے لڑتا ہوا جان دے دیتا ہے تو اِس میں ڈر کی کونسی بات ہے۔ کیا ہمارے باپ دادا موت سے بچ رہے تھے یا اُن کے باپ دادا موت کا شکار نہیں ہوئے تھے؟ یا کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے نہیں مرنا؟ جب ہمارے باپ دادا اب تک مرتے چلے آئے اور جب ہم نے بھی ایک دن ضرور مرنا ہے تو وجہ کیا ہے کہ ہم ایک ذلیل موت اپنے لئے قبول کریں اور بہادری سے لڑ کر عزت کی موت قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوں۔ اگر ہم عزت کی موت مرنا چاہتے ہیں اگر ہم ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا ہمیشہ کے لئے سرنگوں کرنا نہیں چاہتے تو یقیناً ہمارا فرض ہے کہ بہادری سے اپنی جان دینے کے لئے تیار رہیں اگر ہم ایسا کریں گے اور اگر اِس ارادہ اور نیت سے ہم جان دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے کہ ہندوستان میں آخری جگہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا قائم ہے ہم سرنگوں نہیں ہونے دیں گے تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ خدا یہ بے غیرتی دکھائے کہ وہ ہمیں تباہ کر دے اور دشمن کے ہاتھوں مسلمانوں کو بالکل مٹنے دے۔

(ماخوذ از غیر مطبوعہ ریکارڈ خلافت لائبریری)

۱؎ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدة: ۵۷)

۲؎ اٰل عمران: ۳۲

۳؎ اِس جگہ سے آگے اِس لیکچر کے آخر تک غیر مطبوعہ مواد ہے۔